شیخ امجد الزّھاویؒ

خلیل حامدی

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ: ان اللہ لایقبض العلم انتزاعًا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتیٰ اذا لم یبق عالمًا اتخذ الناس رؤسًا جہالًا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں واپس لے لیگا کہ بندوں کے سینوں سے اُسے نکال لے گا بلکہ اہلِ علم کو اپنے پاس واپس بُلائے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنائیں گے اور وہ علم کے بغیر ہی فتوے صادر کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور خلقِ خدا کو بھی گمراہ کریں گے)۔ اس حدیث کی صداقت اِس دَور میں صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ علمائے حق اور دین و ملّت کے مخلص خادم ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے ہیں اور عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرّف میں آ رہے ہیں۔ یُوں تو اسلامی تاریخ کے ہر دَور میں دنیا کے پرستار اور سیم و زر کی پُوجا کرنے والے "علماء" کی مثالیں ملتی ہیں مگر خال خال لیکن بیسویں صدی عیسوی کا یہ نصف ثانی جس سے آج ہم گزر رہے ہیں، اِس افسوس ناک ــــ بلکہ حیرت ناک ــــ صورتِ حال سے دوچار ہے کہ پچھلی صدیوں میں علمائے سُو کی جو خال خال مثالیں ملتی تھیں اب اس کے برعکس علمائے حق گوہرِ نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یوں نظر آ رہا ہے جیسے تیرہ و تار دشت کے اندر جستہ جستہ چند قندیلیں ٹمٹما رہی ہوں۔ اور جب کبھی کسی قندیل کے بجھ جانے کی خبر ملتی ہے تو تاریکی کے فزوں ہو جانے کا احساس شدید ہونے لگتا ہے۔ اور کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی قندیل کے فروبہ جانے کے بعد اُسی آب و تاب کے ساتھ کوئی اور قندیل فروزاں ہو گئی ہو۔

پُورے عالمِ اسلامی پر نظر ڈالیں۔ صرف رُبع صدی قبل بلندیۂ علم و فقہ کے اندر جو مردانِ حُر نظر آتے تھے اور تحقیق و نظر کے جن شہسواروں کا غلغلہ تھا کیا گنتی کی چند مثالوں سے قطع نظر اُن کے بعد اُس خلا کو کم سے کم

تناسب کے ساتھ بھی پُر کیا جا سکا ہے؟ - درحقیقت مسلمان ملکوں میں ماضی قریب کا دور ایسی "مسموم" فضا میں گھِرا رہا ہے ۔ اور گھِرا ہوا ہے ۔ جس نے پوری ملت کو بانجھ پن کی بیماری لگا دی ہے ۔ اور علم و فقہ ہی پر کیا مو[illegible] ہے سیاست و قیادت کے ذوقِ سلیم کو بھی مکدر کر دیا ہے ۔ الجزائر سے بشیر ابراہیمی رخصت ہوئے گویا علم و ادب اور جہاد و دعوت کی بساط لپیٹ گئی، شام کے مصطفیٰ سباعی کی موت سے شام کے علمی و تحریکی اُفق دھندلا گئے [illegible] احرار بدیع الزمان نورسی کا نعم البدل نہ پا سکے ۔ اور اب عراق کی پُرخروش سرزمین ایک ایسی عظیم اور فقید المثال شخصیت سے تہی دامن ہو گئی ہے جس کے خسارہ کی تلافی نہ ہو سکے گی ۔ تحریکِ دعوت و جہاد قلیل دنوں کے اندر دو زبردست جھٹکوں سے دوچار ہوئی ہے ۔ ایک سید قطب کی شہادت (۱۹۶۶ء) اور دوسرے عراق کے شیخ کبیر اور مجاہد جلیل امجد الزہاوی کی رحلت (۱۹۶۷ء) ۔ مسلمان ممالک الحاد و زندقہ اور مادہ پرستی اور فرنگیت کی جس رَو میں بہے چلے جا رہے ہیں اُس کا تقاضا تھا کہ جری اور مخلص اور خدا پرست علماء کی تعداد میں مزید اضافہ ہوتا اور یہ طرفہ کارروائی نہ ہوتی رہے مگر کے اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ اس کے برخلاف ملتِ اسلامی کی آزمائش کی سنگینی کا یہ عالم ہے کہ جو بقیۃ السّلف اور بقیۃ السّیف رہ گئے تھے وہ بھی مسند خالی کرتے جا رہے ہیں ۔ خدا مراکش کے علال الفاسی، مصر کے ابو زہرہ اور حسنین مخلوف، شام کے حسن حبنکہ اور عراق کے محمد محمود الصواف اور عالم الآلوسی کے دوسرے چند گنے چُنے اصحابِ علم اور قلندرانِ وفا شعار کو عمر دراز عطا فرمائے ۔ انہی جیسے حضرات کے دم قدم سے اب مسندِ دعوت و افتاء اور منصبِ فقہ و ادراک کی کچھ رونق اور آبرو باقی ہے ۔

غالباً ۱۹۶۰ء کے اواخر کی بات ہے کہ کراچی کے ایک تیسرے درجے کے ہوٹل میں شیخ امجد الزہاوی کو پہلی بار دیکھا ۔ انتہائی ضعیف اور لاغر و نحیف ۔ کسی معاون اور خادم کے بغیر ۔ راقم الحروف نے اُن سے تکلیفِ سفر کا مقصد دریافت کیا تو فرمانے لگے: جب سے مجھے پاکستان کے فوجی انقلاب کی اطلاع ملی ہے، ایک آرزو میرے دل میں اُبل رہی ہے ۔ میں نے سُنا ہے کہ انقلاب کے سربراہ جناب محمد ایوب خاں کا تعلق افغان نسل سے ہے ۔ افغان قوم کے بارے میں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس میں ملی غیرت و حمیت اور جوشِ جہاد بہت ہوتا ہے ۔ شیخ مرحوم نے اس سلسلے میں افغان قوم کی دینی عصبیت اور جذبے کی چند مثالیں بھی پیش کیں ۔ اور اس کے بعد نہایت پُرامید

اور تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ فرمایا: مجھے محمد ایوب خاں سے امید واثق ہے کہ وہ افغان ثابت ہوں گے، اور اِس ملک کے اندر اسلام کا بول بالا کریں گے اور جہاد کی طرح ڈالیں گے۔ دریں اثنا مرحوم بار بار جمال الدین افغانیؒ اور شیخ سعید شامل کی مثالیں پیش کرتے رہے۔ انہوں نے یہ بھی حکمت کی بات فرمائی کہ دعوت و اصلاح کا کام بے شبہ عوامی پیمانے پر جاری رہنا چاہیے۔ مگر ضرورت اِس بات کی ہے کہ حکمرانوں تک دعوت پہنچائی جائے اور ان کی اصلاح کی صورت نکالی جائے۔ کیونکہ اگر حاکم راہِ راست اختیار کرلے تو اُس کے بعد عوام کی اصلاح بہت آسان ہوجاتی ہے۔ اور اگر حکام بگڑے رہیں تو کسی اصلاحی انقلاب کا برپا ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اپنے تجربات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اپنا مشہور جملہ دُہرایا: ہم بڑے پاپڑ بیل کر بمشکل ایک فرد کی اصلاح کر پاتے ہیں اور بے خدا حکومت کا ادارہ روزانہ ہزارہا افراد کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اِسی حکیمانہ اصُول کے تحت شیخ امجد الزہاوی نے ۸۰ سال کی عمر میں بغداد سے کراچی کا سفر کیا۔ اور کئی ماہ تک وہ جناب محمد ایوب خاں کی ملاقات کے انتظار میں رہے۔ غالباً اِس غرض کے لیے انہوں نے پنڈی کا بھی سفر کیا۔

مرحوم سے دوبارہ ۱۹۶۵ء میں حج کے ایّام میں رابطۂ عالم اسلامی کے دفتر کے اندر مکۃ مکرمہ میں شرفِ زیارت نصیب ہوا۔ ضعف و نقاہت کی شدت کا یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کا سہارا لے کر چل سکتے تھے۔ جسمانی قوت بالکل جواب دے چکی تھی۔ مگر قلبی و روحانی طاقت اور جذبہ و ولولہ کی تازگی اِس درجہ تھی کہ بغداد سے مکہ معظمہ کا سفر اور وہ بھی ایّامِ حج کے اندر جب کہ اژدحام کی وجہ سے جوانوں کا زہرہ آب ہوجاتا ہے، صرف اِس بنا پر کیا کہ رابطۂ عالمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام دنیا بھر کے علماء اور دینی و علمی رہنماؤں کی کانفرنس منعقد ہورہی تھی اور اُس میں اسلام کے فروغ اور مسلمانوں کے مسائل اور مشکلات کے حل پر غور و فکر ہونے والا تھا۔ شیخ کی تمام زندگی، عالمِ شباب کی توانائی بھی اور عہدِ پیری کی پختہ کاری بھی، اِسی مقصد پر صرف ہوئی ہے۔ ایسے عظیم اجتماع کو جس میں پانسد کے قریب اسلامی نمائندے شریک ہورہے تھے شیخ کے لیے نظر انداز کردینا محال تھا۔ چنانچہ کانفرنس کے اکثر و بیشتر پروگراموں میں انہوں نے حصّہ لیا۔ اور اپنے مفید مشوروں اور بیش قیمت نصائح و تجربات پیش کیے۔

شیخ امجد الزہاوی سن ۱۳۰۰ھ (سن ۱۸۸۲ء) میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ خاندانی وجاہت،

علم وفضل اور قضاء و افتاء میں نامور تھا۔ آپ کے والد شیخ محمد سعید بن محمد فیضی الزھاوی بغداد کے مفتی تھے۔ عثمانی خلافت کے زمانے میں مفتی کا منصب بہت بڑے شرف و اعتلاء کا منصب سمجھا جاتا تھا۔ شیخ امجد الزھاویؒ نے علم و زہد کا اکتساب اپنے والد بزرگوار سے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے طفولیت کے اندر ہی طلب و تحقیق کا جو ذوقِ فراواں ارزانی فرمایا تھا اُس کی بدولت مرحوم بغداد کی تمام علمی مجلسوں اور مدرسوں سے استفادہ کرتے رہے۔ نامور علماء و فقہاء کے حلقوں سے منسوب رہے۔ اِس طرح آپ نے بہت بڑا فقہی سرمایہ اپنے سینہ میں سمیٹ لیا۔ مرحوم بڑے زُود فہم، روشن فکر، صائب النظر اور مضبوط حافظہ کے مالک تھے۔ جن مشہور علماء سے کسبِ علم کیا اُن میں سے ایک فقیہ بغداد شیخ عباس القصاب تھے اور دوسرے مولانا غلام رسول ہندی۔ بغداد کے علمی چشموں سے سیراب ہونے کے بعد آستانہ (استنبول) کا سفر کیا اور وہاں کے کلیۃ القضاء (قضاۃ کے کالج) میں داخل ہو گئے۔

۱۹۰۶ء میں اس کالج سے نہایت امتیاز کے ساتھ فارغ ہوئے۔ اور جب بغداد واپس ہوئے تو حکومت کی طرف سے انہیں اَحسا میں مفتی مقرر کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بغداد منتقل کر دیئے گئے اور بغداد کے کورٹ آف اپیل کے جج بنا دیئے گئے۔ موصوف کی قانونی بصیرت، حیرت انگیز قوتِ حافظہ اور اخلاصِ عمل سے ہر شخص متاثر تھا۔ کچھ مدت کے بعد انہیں بصرہ کی فوجداری عدالت کا چیف جج اور پھر موصل کی دیوانی عدالت کا چیف جج بنایا گیا۔

۱۹۲۱ء میں عراق کے اندر سیاسی طور پر بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ خلافتِ عثمانی کے بجائے انگریزوں کی مسندِ اقتدار بچھ گئی۔ اور ایک مقامی حکومت کی تشکیل ہوئی۔ شیخ امجد الزہاوی نے نئے حالات کی بنا پر ملازمت سے استعفا دے دیا اور وکالت شروع کر دی۔ ان کی ذاتی خوبیوں اور خاندانی شہرت نے نئی حکومت کو بھی آپ کی قدردانی پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ کو وزارتِ اوقاف کا مشیر بنا دیا گیا۔ مگر علم و دعوت کا شوق زیادہ دیر تک اس منصب کو گوارا نہ کر سکا۔ اِسے ترک کر دیا اور تعلیم و تدریس کو شیوہ بنا لیا اور بغداد کے لا کالج میں مجلۃ احکامِ شرعیہ کے اُستاذ مقرر ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پُورے عراق میں اسلامی قانون کا آپ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے آپ کو عراق کے قاضی القضاۃ کا عظیم ترین منصب سونپا گیا اور ۱۹۲۷ء تک مرحوم اس منصب پر فائز رہے۔ آپ نے حق گوئی اور جرأت اور علمی بصیرت اور عدل گستری کی نادر مثالیں

پیش کیں، اور حق کے معاملے میں کسی کی ملامت اور تخویف کی پروا نہیں کی۔ قضا کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ نے تدریس و تربیت کا کام بھی جاری رکھا۔ بغداد کے مدرسہ سلیمانیہ میں باقاعدہ علومِ شرعیہ کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کے والد بھی اسی مدرسہ میں پڑھا چکے تھے۔

شیخ امجد الزہاوی محض عالمِ دین، ماہرِ قانون اور حق گو انسان ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے عراق میں اسلامی دعوت و تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اپنے حلقۂ تدریس و تعلیم اور شغلِ فقہ و قضا کو اس تحریک کا نرسری فارم بنایا۔ ان کے تلامذہ کی جماعت دلوں میں دعوت و اصلاح، جہاد و عمل اور اقامتِ دین کا جذبہ لے کر نکلی۔ آج ہمیں عراق میں حکومت کے تشدد کے باوجود اسلام کے نام لیواؤں کی جو سخت جان اور نڈر جماعت نظر آ رہی ہے وہ شیخ امجد الزہاوی کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ شیخ نے محض اقامتِ دین کا احساس بیدار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اقامتِ دین کی تحریک کی باقاعدہ تنظیم کی، اور عراق کے متلون حالات کے اندر مختلف اسالیب اور گوناگوں وسائل سے کاروانِ تحریک کو پا بہ سفر رکھا۔ عراق میں ۱۹۴۷ء میں پہلی مرتبہ جمعیت سازی کا حق بحال ہوا۔ اس بحالی کے بعد سب سے پہلی جو اسلامی تنظیم وجود میں آئی وہ جمعیۃ الآداب الاسلامیہ ہے۔ مرحوم اس جمعیت کے صدر منتخب ہوتے اور جب تک یہ جمعیت قائم رہی اس کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ اس کے دو سال بعد ۱۹۴۹ء میں جمعیۃ التربیۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک اور جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ ان دونوں جماعتوں کے حلقہ ہائے اثر الگ الگ تھے مگر دونوں کا مقصد نوجوان نسل کو اسلامی نظامِ زندگی سے روشناس کرانا تھا۔ مرحوم امجد الزہاوی دوسری جماعت کے صدر بھی منتخب ہوئے اور تادمِ آخر اس کے صدر رہے۔ اور ان دونوں جماعتوں کی مثال درخت کی ہو گئی جس کا تنا ایک تھا اور شاخیں دو الگ سمتوں میں سایہ انداز ہو رہی تھیں۔

اسی دور میں عراق میں مصر کی تحریکِ اسلامی کی صدائے بازگشت بھی سنائی دے رہی تھی۔ عراق کے جو نوجوان قاہرہ کی ازہر یونیورسٹی اور دوسری یونیورسٹیوں سے فارغ ہو کر آ رہے تھے ان میں ایک تعداد ایسی تھی جو اخوان المسلمون کی دعوت سے متاثر تھی۔ عراق کے نامور اسلامی رہنما شیخ محمد محمود الصواف بھی قاہرہ میں قیام کے دوران حسن البناؒ اور ان کی دعوت سے متاثر ہوئے تھے۔ شیخ امجد الزہاوی کے لیے اخوان کی دعوت و تحریک کوئی انجانی چیز نہ تھی بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اس شجرِ طیب کی کاشت ہوئی تھی۔ مرحوم حسن البنا

سے شیخ امجد الزھاوی کے ذاتی مراسم تھے۔ اور عراق ہی کیا، اخوان کی دعوت شام، فلسطین، اردن، لبنان، سوڈان اور شمالی افریقہ کے ممالک تک کمندیں ڈال چکی تھی۔ عراق میں اخوان المسلمون کے نام سے کسی تنظیم کا قیام مقامی سیاست کی وجہ سے ناممکن تھا۔ چنانچہ اخوان کی دعوت کی روح و غایت کو شیخ امجد الزھاوی اور شیخ محمد محمود الصواف نے جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیہ کے لباس میں اہلِ عراق سے روشناس کرایا۔ جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیہ ۱۹۵۱ء میں تشکیل کی گئی۔ شیخ امجد الزھاوی اس کے صدر منتخب ہوئے اور اُس وقت تک قرعۂ صدارت ان کے نام نکلتا رہا جب تک یہ جمعیت قائم رہی۔ الاخوۃ الاسلامیہ کے نام سے اس جمعیت کا ایک ہفت روزہ بھی جاری کیا گیا جس کی ادارت کے فرائض خطیبِ عرب شیخ صواف کو سونپے گئے۔ ہمارے علم کی حد تک عراق کا یہ پہلا اسلامی اخبار ہے جس نے عالمِ وجود میں قدم رکھتے ہی الحاد و استبداد کے قلعوں میں ہلچل مچا دی۔ جبر و تشدد کی ننگی تلوار کے نیچے الاخوۃ الاسلامیہ کی اذانِ حق نے وہی سماں پیدا کر دیا جو مصر میں محب الدین الخطیب کے ہفت روزہ الفتح نے پیدا کیا تھا۔ شیخ امجد الزھاوی کی سرپرستی اور قیادت میں جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیہ نے چند سالوں کے اندر عراق کی اسلامی تحریک کی جڑیں مضبوط کر دیں، نوری سعید کی حکومت نے اگرچہ اُس پر پے در پے وار کیے، اور پھر عبدالکریم قاسم کی فوجی آمریت نے بھی اس کا قلع قمع کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، مگر یہ تحریک اس قدر مستحکم ہو چکی ہے کہ اس کا مٹا دینا آسان نہیں ہے۔

ملت اسلامی کے پیچیدہ اور نازک مسائل میں سے ایک مسئلہ علمائے دین کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اگر اصولی اور بنیادی بحثوں تک ہو اور علمی حدود اور جدلی آداب کے اندر رہے تو کبھی پیچیدہ صورتِ حال پیدا نہیں کر سکتا۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معاملہ دنیا پرست اور کم نظر علماء کے ہاتھ میں آجائے اور وہ اختلافی آراء کو افہام و تفہیم کے انداز میں پیش کرنے کے بجائے فری اسٹائل کشتی کے رنگ میں پیش کریں۔ عراق میں علماء کو اس غلط راستے سے محفوظ رکھنے کے لیے شیخ امجد الزھاوی نے قابلِ قدر مساعی سرانجام دی ہیں۔ مرحوم خود بہت بڑے فقیہ تھے، اخلاص اور بے غرضی کے پیکر تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی علماء کے اندر تلخی نہیں پیدا ہونے دی۔ مرحوم خود حنفی المسلک تھے مگر وہ عراق کے شافعیوں، حنفیوں اور قلیل التعداد حنبلیوں کے لیے نقطۂ اتصال بنے ہوئے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مرحوم کی مساعی سے علمائے عراق کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے رابطۃ العلماء

کے نام سے خطباء، علماء اور تمام دینی حلقوں کی ایک متحدہ تنظیم قائم کی گئی۔ یہ تنظیم علمائے عراق کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔ اس کا دائرۂ کار اگرچہ اہلِ سنّت علماء تک محدود ہے مگر شیعہ علماء کا بھی اسے تعاون حاصل ہے۔ مرحوم امجد الزہاوی اس کے صدر منتخب ہوئے اور آخر دم تک اُس کے صدر رہے۔ مرحوم کا سفرِ آخرت رابطۃ العلماء کے صدر کی حیثیت سے ہُوا ہے۔ اس تنظیم نے عراق کے مذہبی حلقوں کو افتراق و تشتّت سے بچا لیا اور انہیں دین کے فرضِ اصلی کی جانب متوجہ کیا۔ راقم الحروف کو ۱۹۶۵ء میں کویت کے اندر اور ۱۹۶۶ء میں مکہ معظمہ میں ایامِ حج میں رابطۃ العلماء سے وابستہ اہلِ علم سے ملنے اور تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملا ہے۔ انہیں بڑا وسیع القلب، صائب النظر، شیریں زبان، خوش اخلاق اور دوسروں کی بدگوئی سے پاک پایا ہے۔ اختلافی مسائل اور فروعی امور میں بحث کرنے کے لیے انہیں آمادہ نہیں پایا۔ ان سب میں یہ احساس مشترک ہے کہ اشتراکیت، بعثیت، الحاد اور مغربیت کی یلغار سے ملّتِ محمدی کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ ان فتنوں کو جب غلبہ حاصل ہوجاتا ہے تو یہ اس امر کا کوئی لحاظ نہیں کرتے کہ کسی فقہی مسلک اور فروعی مسئلے میں کس کی کیا رائے ہے؟ ان کی اندھی تلوار حنفی و شافعی اور سُنّی و شیعہ سب کی گردنوں کو یکساں ناپتی چلی جاتی ہے۔ ترکی کی مثال سب کے سامنے ہے۔ مرحوم امجد الزھاوی کا لگایا ہُوا یہ پاکیزہ پَودا ابھی تک قائم ہے اور خدا کرے مزید ہرا بھرا ہو۔

مرحوم کے متوسّلین ان کی تین خوبیوں کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ ایک ان کا اخلاص وللّٰہیت، دوسرے خشیتِ الٰہی اور تیسرے احوالِ مسلمین سے غیر معمولی شغف۔ احوالِ مسلمین سے ان کو اس درجہ شغف و اہتمام تھا کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بڑے فکر مند رہتے۔ اپنے تمام شاگردوں اور ساتھیوں کو ان کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی کہ "مسلمانوں کو بچانے کے لیے فوری بھاگ دوڑ کیجیے۔ وفات سے ایک گھنٹہ قبل وہ اپنے ایک رفیق سے مسلمانوں کی حالتِ زار کا شکوہ کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب پہلی مرتبہ عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ چھڑی تو ۷۰ سال کا بُڈھا امجد الزہاوی بھی مجاہدینِ فلسطین کے ساتھ مورچوں میں موجود تھا، اور مجاہدین کے اندر جہاد کی رُوح پھونک رہا تھا۔ امجد الزھاوی نے عراق میں جمعیتِ انقاذِ فلسطین (فلسطین کی واگزاری کی جمعیت) قائم کی اور رضا کار بھرتی کر کے میدانِ قتال کی طرف بھیجنے شروع کر دیے۔ اور ساتھ ساتھ مجاہدین اور مہاجرینِ فلسطین کے لیے مالی اعانتیں بھی فراہم کیں۔ ۱۹۵۵ء میں شیخ الزھاوی نے مسئلۂ

فلسطین سے مسلمان اقوام کو بہ تفصیل آگاہ کرنے کے لیے مختلف اسلامی ملکوں کا طویل دورہ کیا۔ اس دورہ میں وہ پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں گئے اور سات ماہ تک مسلسل ان میں پھرتے رہے۔ وہاں کے حکام اور ذمہ دار حلقوں سے ملے، اربابِ ادب و صحافت کو فلسطین کی کہانی سنائی، دانشوروں اور ملی رہنماؤں کو اس مسئلہ کی حقیقت اور نزاکت سے آگاہ کیا۔ اور اس کے لیے جان و مال اور زبان و قلم سے جہاد کرنے کی اپیل کی۔ عالم پیری کے اندر یہ طویل سفر محض شیخ کی قوتِ ایمانی اور سوزِ دروں کا کرشمہ تھا۔ اسلامی تحریک کے داعی نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں جس تعلق و اہتمام کا ثبوت دیا وہ عین تقاضائے اسلام تھا۔ مگر دوسری طرف جب عراق میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا اور عبدالکریم قاسم نے زمامِ اقتدار پر قبضہ کر لیا تو اُس نے جمعیتِ انقاذ فلسطین کو توڑ دیا۔ کیونکہ اُس کی اشتراکی سیاست اس مسئلہ کو زندہ رکھنے اور اُسے ہوا دینے کی حامی نہ تھی۔ اگرچہ آخری دور میں اُس نے اس مسئلہ کو از خود زندہ کرنے بلکہ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی، مگر یہ کوشش مسئلہ فلسطین کی خدمت کے لیے نہیں تھی، بلکہ اپنے ایک حریف کو زک دینے کے لیے شطرنج سیاست پر ایک انوکھے مہرے کے طور پر اختیار کی تھی۔

الجزائر کی جنگِ آزادی سے بھی مرحوم امجد الزہاوی وابستہ رہے۔ الجزائر میں جب جنگِ آزادی لڑی جا رہی تھی تو مرحوم نے اس دوران میں الجزائری مجاہدین کو مالی اور اسلحہ کی امداد فراہم کرنے کے لیے عراق میں اعانت الجزائر کمیٹی کی تشکیل کی اور خود اس کے صدر منتخب ہوتے۔ اس کمیٹی نے لاکھوں دینار جمع کیے اور مجاہدین کو ہر نوعیت کا سامان فراہم کیا۔ مسئلہ کشمیر کے معاملہ میں بھی انہوں نے پاکستان کی تائید و حمایت کا ہر موقع پر پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ عرب دنیا میں پاکستان کو جو مخلص اور بے لوث حامی نصیب ہوئے ان میں عراق کے یہ مجاہدِ اعظم بھی تھے۔ شیخ نے اُس دور میں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کے حق میں آواز اٹھائی جب عربوں پر عرب قوم پرستی اور بھارت نوازی کا جنون سوار تھا اور نہرو انہیں "پیغمبرِ امن" نظر آتا تھا۔ پاک بھارت جنگ کے بعد جب کاسابلنکا میں عرب سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی اور عراق کے سربراہ مرحوم عبدالسلام عارف اُس میں شرکت کے لیے روانہ ہوتے تو شیخ امجد الزہاوی علماء کا وفد لے کر عبدالسلام عارف کے پاس گئے اور اُن سے اپیل کی کہ وہ اس کانفرنس میں مسئلہ کشمیر کے بارے میں پاکستان کی حمایت کریں۔ علاوہ ازیں شیخ کی طرف سے عرب لیگ اور

دوسرے سربراہوں کو بھی اسی نوعیت کے تار دیئے گئے۔ پاکستان کے صدر کو بھی رابطۃ العلماء کی طرف سے حمایت و تائید کا تار دیا۔ رابطۃ العلماء کے لوگوں نے عراق بھر میں پاکستان کی حمایت میں تقریریں کیں۔ شیخ امجد الزھاوی نے عراق میں پاکستان کے سفیر کی وساطت سے صدر محمد ایوب خاں کے نام ایک مراسلہ بھی ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو یعنی پاک بھارت جنگ سے صرف چھ روز بعد بھیجا جس کا متن یہ ہے:

"دنیا بھر کے مسلمانوں کی نظریں پاک بھارت جنگ پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے پاکستانی بھائیوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے دنیا بھر کے ریڈیو اسٹیشنوں کو سن رہے ہیں۔ اسلام کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے معاملے میں پوری دلچسپی لے اور اس کی مدد میں کوتاہی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما المومنون اخوۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو مسلمانوں کے معاملات سے سروکار نہیں رکھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" برادرم ہم آپ کی مدد و نصرت کی اس کے سوا کوئی سبیل نہیں پاسکے کہ آپ کے سامنے وہ چیز پیش کریں جس میں اہل ایمان کا نفع ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حالت صرف اُس طریقہ سے درست ہو سکے گی جس طریقہ سے ماضی میں ان کی حالت درست ہوئی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے گروہِ قلیل کو بھی کافروں کے گروہِ کثیر پر غالب کر دیتا ہے۔ پس مومن اگر حبل اللہ کو تھامے ہوئے ہے تو اُسے کوئی چیز شکست نہیں دے سکتی۔ پاکستان کی مسلمان قوم اس وقت ایک امتحان میں ہے۔ اور اس امتحان سے اُسے صرف اُس وقت نجات مل سکتی ہے جب اس کے حکمران کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں گے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ان تنصرا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں مضبوط کرے گا)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "جب تک تم میرے طریقہ پر چلتے رہو گے تم دشمنوں پر غالب رہو گے۔ اگر تم نے میرا طریقہ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ تم پر ان لوگوں کو مسلّط کر دے گا جو تمہیں خوف میں مبتلا کر دیں گے۔ اور جب تک تم میرے طریقہ کی طرف لوٹ نہ آؤ گے ان کا خوف تمہارے دلوں سے نہیں نکالے گا۔" برادرم ہم آپ کو اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سُنّت اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ

آپ کو اور ہمارے پاکستان کے مسلمان بھائیوں کے لیے راہِ نجات مہیا کرے۔ ومن یتق اللہ یجعل
لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب (جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے راہِ نجات پیدا
کر دیتا ہے اور اُسے وہاں سے روزی پہنچاتا ہے جو اُس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا)۔ اور تاکہ اللہ آپ کی
مدد کرے اور آپ کو اور اہلِ ایمان کو خصوصی نصرت سے نوازے اور ملک کے اندر سر بلند کرے۔ وَکَانَ
حَقًّا علینا نصر المومنین۔"

پاکستان کی اسلامی تحریک سے شیخ امجد الزہاوی کو بڑی گہری وابستگی تھی۔ مرحوم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ
مودودی کی گرفتاریوں پر ہمیشہ شدید صدائے احتجاج بلند کی۔ مولانا کی عربی تصنیفات کی ہر موقع پر خود بھی تعریف
کی اور اپنے رفقاء اور تلامذہ کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیا۔ جب کبھی اسلامی تحریک پر کوئی اُفتاد پڑی انہوں نے رنج و غم کا
اظہار کیا۔ ۱۹۶۴ء میں جب جماعتِ اسلامی کو توڑا گیا اور جماعت کے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا اُس وقت امجد
الزہاوی نے صدرِ پاکستان اور دوسرے لوگوں کے نام احتجاجی مراسلے بھیجے۔ مولانا محترم کے ساتھ آخر وقت تک اُن
کی مراسلت جاری رہی۔ اُن کا آخری خط جو اگست ۱۹۶۷ء کے اواخر میں مولانا محترم کو وصول ہوا ہے، اُس خط
میں وہ لکھتے ہیں:

"مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایسے رہنما پائے جاتے ہیں جو اسلام
اور مسلمانوں کے مسائل کی فکر رکھتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ القدس کے المیہ نے آپ لوگوں کے دلوں
پر بڑا اثر کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات برانگیختہ کر دیئے ہیں۔ یہی جذبات انشاء اللہ مسلمانوں
کی قوت اور بیداری کا باعث بنیں گے، بشرطیکہ مسلمان باہمی تعاون کے راستہ پر چلتے رہے اور بر و تقویٰ
میں ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو قبول فرمائے۔ اسلامی اخوت
کی اشاعت اور اسلامی روابط کو فروغ دینے کے لیے آپ جو جدوجہد کر رہے ہیں اُس میں برکت
دے۔ اسلام کے فروغ و اعلاء کا کام لاثانی ہے۔ عہدِ حاضر میں جو شخص اسلام کی دعوت کا کام کرتا
ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اجر اُسے ملے گا اور جو سعادت اُسے نصیب ہو گی اُس کا تصور بھی
نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دور غالباً وہی دور ہے جس کے بارے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے: سیاتی زمن یکون اجر العامل فیہ اجر سبعین رجلا قالوا منہم یا رسول اللہ قال بل منکم (ایک ایسا دور بھی آئے گا جس میں اسلام کے ایک خادم کا اجر ستر آدمیوں کے اجر کے برابر ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اُس دور کے ستر آدمیوں کے برابر؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری جماعت کے ستر آدمیوں کے اجر کے برابر)۔ آج جو شخص اسلام کا پرچار کرتا ہے وہ درحقیقت نوعِ بشری کی بہبودی اور سعادت کا کام کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کام کی اُجرت اور معاوضے کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کی کوششوں کو قائم و دائم رکھے اور کامیابی سے نوازے۔"

مرحوم امجد الزہاوی کے بارے میں اُن کے ایک رفیق لکھتے ہیں: "مرحوم علم و فضل اور جذبۂ جہاد کے لحاظ سے سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ مسلمانوں کے بارے میں فکرمند رہتے تھے۔ مسلمانوں پر جب کوئی آفت ٹوٹ پڑتی تو یہ شدید کرب میں مبتلا ہو جاتے۔ مسلمانوں کی سربلندی اور نجات کے لیے ہر دم سوچتے رہتے۔ ہر اسلامی ملک کے بارے میں رفقاء سے پوچھتے رہتے۔ ہر وہ جماعت جو دعوت الی الخیر اور مدافعتِ اسلام کے مشن کو لے کر اٹھتی اُس کے حالات کی ٹوہ میں رہتے اور اُس کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے۔ مرحوم رجائی فکر کے حامل تھے۔ ناامیدی اور قنوطیت کبھی اُن کے اندر پیدا نہ ہوتی تھی۔ ان کے سینے میں بڑا مضبوط دل تھا۔ ان کی روح جہاد و حرکت سے سرشار تھی۔ اصلاحی جماعتوں کی تنظیم میں انہوں نے بہت بڑا رول ادا کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ مسلمان قوم اپنی بگڑی خود سنوار سکتی ہے۔ حکومتوں پر سراسر بھروسہ کرتے رہنا درست نہیں ہے۔ مرحوم بڑے پاک نفس اور متقی تھے۔ ان کا وعظ بڑا پُراثر ہوتا تھا۔ وہ حق کے معاملے میں کسی ملامت اور تہدید سے خائف نہ ہوتے تھے۔ اسلامی مسائل کے معاملے میں وہ بلا جھجک حکام سے جاکر ملتے اور انہیں تذکیر و تبلیغ کرتے۔ جب بیماری کی وجہ سے صاحبِ فراش ہوگئے تو انہوں نے خطوط اور مراسلوں کو ذریعۂ دعوت بنا لیا۔"[1]

ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر وجیہ زین العابدین لکھتے ہیں:

"مرحوم کی پوری زندگی جہاد و صبر سے عبارت ہے۔ اللہ کی راہ میں وہ ہمیشہ استقامت اور

---

[1] مجلۃ التربیۃ الاسلامیہ، بغداد شمارہ دسمبر ۱۹۶۷ء

ثبات دکھاتے رہے تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو۔ طواغیت اور اربابِ باطل کے سامنے وہ آہنی چٹان تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ جب کہ ملک سخت تاریک حالات سے گزر رہا تھا ایک خطیب کو گرفتار کر لیا گیا، اور اُسے شدید زد و کوب کیا گیا۔ مرحوم نے فوراً علماء کو جمع کیا اور حکومت کو اس بارے میں ایک احتجاجی یادداشت پیش کی۔ اس طرح انہوں نے اپنے ایک بھائی اور اپنے دین کی مؤثر خدمت انجام دی۔ مرحوم عمر اور بزرگی کے لحاظ سے تو شیخ کہے جا سکتے ہیں، مگر اُن کا دل اور عزم جوان تھا۔ زندگی اور حرارت ان کے اندر اُچھل رہی تھی۔ تادمِ آخر وہ جہاد کرتے رہے[۱]۔"

عراق کے ایک اسلام پسند اہلِ علم ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں :

"شیخ اخلاص کامل، خشیتِ الٰہی اور امورِ مسلمین کی فکرمندی کا صحیح نمونہ تھے۔ ان کا اخلاص اس حد تک صاف و شفّاف تھا کہ ان کے اندر جاہ و اقتدار، ستائش پسندی اور شہرت کا ادنیٰ شائبہ تک نہ تھا۔ ان کے اندر خشیتِ الٰہی ہر دیکھنے والی آنکھ صاف محسوس کر لیتی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ حدود اللہ کی پاسداری کی، شعائر اللہ کی تعظیم کی، حقوق اللہ کی ادائیگی میں ہمیشہ عجلت سے کام لیا اور سوال و استفسار کے موقع پر حق بات کہنے میں کبھی تامل نہیں کیا، امورِ مسلمین کا انہیں اس درجہ اہتمام تھا کہ جہاں سے اسلامی اجتماع کی خبر انہیں موصول ہو جاتی وہ لپک کر وہاں جاتے، اس غرض کے لیے وہ اکثر اسلامی ملکوں کے اندر پھرتے رہے۔ ان کا نحیف و نزار جسم اور ان کی پیرانہ سالی اس بارے میں کبھی رکاوٹ نہ بن سکی۔ مرحوم جب مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اور شکستِ حاضر کا تذکرہ کرتے تو زار و قطار روتے۔ اور اُن کی سفید اور نُورانی ریش تربتر ہو جاتی۔ مجھے سفر و حضر میں، صحت و بیماری میں خصوصی اور عمومی مجلسوں میں ان کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوتا رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے اخلاص، خشیتِ الٰہی اور تعلقِ اسلام میں کبھی ضعف یا کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کے اندر ان اوصاف کا ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔ مرحوم جلیل القدر فقیہ تھے۔ انہوں نے کبھی مداہنت کا راستہ اختیار نہیں کیا، اور دنیا کے عوض دین کو نہیں بیچا۔

---

[۱] روزنامہ الجمہوریہ، بغداد، شمارہ ۲۴ نومبر ۱۹۶۷ء۔

اور اُس وقت بھی کلمۂ حق بلند کیا جب دوسرے منقار زیر پر ہو گئے تھے۔"

مرحوم ۸۷ سال کی جہاد و دعوت سے لبریز زندگی بسر کرنے کے بعد آخر کار بغداد میں ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۶۷ء کو جمعۃ المبارک کو عصر کے وقت رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے امام (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) پر اپنی رحمت کی بارش کرے۔ مرحوم کا ایک شاگرد اپنے طویل مرثیہ میں کہتا ہے:

بنی الامجاد امجدکم تنائی

وکم من قبله طال الغیاب

"اے اربابِ مجد و شرف، تمہارا امجد (ستارۂ عزو شرف) اوجھل ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی مجد و شرف سے محرومی کا طویل وقفہ گزرا ہے۔

طلبہ وطالبات کے لیے

پندرہ روزہ **گلستان**

یکم مارچ سنہ ۶۹ء کو شائع ہو رہا ہے

چند لکھنے والے: نعیم صدیقی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، نصر اللہ خاں عزیز، محمود فاروقی، نصر اللہ خاں (حریت)، حمیدہ بیگم، نیّر بانو اور دوسرے اہلِ قلم۔

علمی و سائنسی مضامین، کہانیاں، نظمیں، لطیفے اور معلومات افزا مضامین

مینجر پندرہ روزہ "گلستان"، کراچی ۳